حضرت شقیق بلخیؒ اور ان کی تعلیمات

ڈاکٹر محمد مشتاق تجاروی

حضرت شقیق بلخی (م ۱۹۴ھ) ابتدائی عہد کے اجلّہ صوفیہ میں سے ہیں۔ ان کا شمار تصوف کی تاریخ میں نظریہ ساز صوفیہ میں ہوتا ہے۔ ابوعبدالرحمن السلمی نے لکھا ہے کہ خراسان کے علاقے میں سب سے پہلے شقیق بلخی نے علم الاحوال کے بارے میں گفتگو کی۔ زہد وعبادت کے ساتھ ساتھ انھوں نے بھرپور سیاسی وسماجی زندگی گزاری۔

مختصر احوال

حضرت شقیق بلخی خراسان کے شہر بلخ کے رہنے والے تھے۔ ان کا نسبی تعلق قبیلۂ ازد سے تھا، اس لیے 'ازدی' کہلاتے تھے۔ ابوعلی کنیت تھی۔ ابتدا میں بہت دولت مند تھے۔ ان کے پوتے علی بن محمد بن شقیق روایت کرتے ہیں:

> ''میرے دادا شروع میں بہت امیر تھے۔ ان کے پاس تین سو گاؤں کی جاگیر تھی۔ تجارت بھی کرتے تھے اور اس سلسلے میں مختلف علاقوں کے اسفار کرتے رہتے تھے۔ بعد میں تصوف وسلوک کی طرف مائل ہوئے تو ساری دولت غریبوں میں تقسیم کر کے زہد کی راہ اختیار کر لی۔''[۱]

تصوف اور زہد کی طرف حضرت بلخیؒ کی طبیعت کے میلان کے سلسلے میں کئی واقعات ملتے ہیں۔ ایک دفعہ وہ تجارت کے سلسلے میں 'ترکوں' (غیر مسلم ترک مراد ہیں) کے علاقے میں گئے ہوئے تھے۔ جس بستی میں یہ مقیم تھے وہاں کے لوگ بتوں کی پرستش کرتے تھے۔ حضرت شقیق ایک مرتبہ ان کے عبادت خانے میں گئے۔ وہاں دیکھا کہ ان لوگوں کے مذہبی پیشوا سر اور داڑھی کے بال منڈوائے ہوئے سرخ ارغوانی رنگ کے کپڑے پہنے

ہوئے ہیں (غالباً بدھ مذہب کے پیروکار ہوں گے)۔ حضرت شقیق نے ان سے کہا کہ تم لوگ اپنے بنائے ہوئے ان بتوں کی پوجا کرتے ہو، یہ غلط طریقہ ہے۔ جن چیزوں کو تم پوجتے ہو ان کا بھی اور تمھارا بھی خالق ایک ہی ہے۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے اور ہر ایک کو رزق دینے والا ہے۔ پھر تم ایسے معبود کو چھوڑ کر ان بتوں کی پوجا کیوں کرتے ہو؟ عبادت خانے کے خادم نے کہا کہ تمہارے قول اور عمل میں تضاد ہے۔ انھوں نے دریافت کیا: کیسے؟ اس نے جواب دیا: ''اگر تم یہ مانتے کہ تمھارا ایک ہی خالق و رازق ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، تو تم طلبِ رزق میں یہاں نہ آتے۔ جو تمھیں یہاں رزق دے رہا ہے وہ تمہارے مقام پر بھی دیتا اور تم سفر کی اس مصیبت سے بچے رہتے۔'' اس گفتگو کا حضرت شقیق پر بڑا اثر ہوا۔ خود فرماتے ہیں کہ میرے زہد کا سبب اس 'ترکی' کا یہ کلام ہے۔ اس کے بعد وہ واپس آئے اور سارا مال و منال صدقہ کر کے طلب علم میں لگ گئے۔ ۲؎

ابن الملقن نے طبقات الاولیاء میں ایک اور واقعہ لکھا ہے، لیکن بظاہر اس کی صحت میں ان کو بھی شک ہے۔ ایک دفعہ قحط کے زمانے میں شقیقی بلخیؒ نے ایک غلام کو دیکھا، جو بہت موج مستی کر رہا تھا۔ (**یلعب و یمرح**) انھوں نے اس کو ڈانٹا کہ لوگ قحط کی مصیبت میں مبتلا ہیں اور تو موج مستی کر رہا ہے۔ اس نے کہا: ''مجھے اس قحط کی پروا نہیں، چوں کہ میرے مالک کے پاس ایک گاؤں ہے، جہاں سے ضرورت کی ہر چیز آجاتی ہے، پھر میں اس قحط سالی کی فکر کیوں کروں۔'' انھوں نے سوچا کہ اس غلام کا مالک خود ایک مخلوق ہے، لیکن اس پر اس کو اتنا بھروسہ ہے، جب کہ میرا مالک تو تمام غنیوں کا غنی ہے۔ جب یہ شخص ایک گاؤں کے مالک اپنے آقا پر اتنا بھروسہ کر رہا ہے تو میں سارے عالم کے مالک کی غلامی کا دعوے دار ہو کر بھی کیوں پریشاں پھروں؟ اس کے بعد انھوں نے اپنا سارا اثاثہ ترک کر دیا اور عبادت میں لگ گئے۔ ۳؎

امام قشیری نے اپنے رسالے القشیریہ میں اسی جیسا ایک اور واقعہ لکھا ہے۔ ان واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ شقیق بلخی کا رجحان زہد و عبادت کی طرف ایسے واقعات کی بنا پر ہوا تھا جن میں طلب رزق کی خصوصی اہمیت تھی، چنانچہ ان کے یہاں غالب رجحان توکل کا ہے، حتی کہ ان کے بعض تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ ان کا سارا کلام توکل کے بارے میں ہے۔ ۴؎

شقیق بلخی شروع میں بڑے عیش و آرام کی زندگی بسر کرتے تھے۔ بہترین لباس زیب تن کیے رہتے، نمود و نمائش کا بڑا شوق تھا۔ خود فرماتے ہیں: کُنْتُ مُرَائِیاً (میں نمود و نمائش کا شوقین تھا)۔ وہ کتے پالنے کے بھی بڑے شوقین تھے۔ پھر ان کی زندگی میں انقلاب آیا اور وہ عابد و زاہد بن گئے۔ امام قشیری نے ابو عبد الرحمن السلمی کے حوالے سے ان کے دورِ امارت کا ایک قصہ اس طرح نقل ہے کہ حاتم اصم کہتے ہیں: ''شقیق بن ابراہیم پہلے بہت دولت مند تھے۔ زندگی کج کلاہی میں بسر کرتے تھے۔ ان کے گرد خوش فکروں کی بھیڑ رہتی تھی۔ اس وقت بلخ کا حاکم علی بن عیسی بن ماہان تھا۔ اس کو بھی کتے پالنے کا شوق تھا اور اس کے پاس بہت سے تربیت یافتہ کتے تھے۔ ایک مرتبہ اس کا ایک شکاری کتا گم ہو گیا۔ بڑی تلاش کے بعد بھی نہیں ملا۔ کسی نے جھوٹی شکایت کی کہ یہ کتا فلاں شخص کے پاس ہے، جو حضرت شقیق کے پڑوس میں رہتا تھا۔ جب اس شخص کی تلاش ہوئی تو اس نے بھاگ کر حضرت شقیق کے گھر میں پناہ لی۔ وہ حاکم کے پاس گئے اور کہا: کتا میرے پاس ہے، لہٰذا میرے پڑوسی کا پیچھا نہ کرو۔ میں تین دن کے اندر کتا تمھیں دے دوں گا۔ چنانچہ اس شخص کی تلاش روک دی گئی۔ شقیق بلخیؒ واپس آئے تو بہت فکر مند تھے، یہاں تک کہ تیسرا دن بھی آ گیا۔ ان کا ایک دوست بلخ سے کہیں گیا ہوا تھا اور اب بلخ واپس آ رہا تھا۔ راستے میں اسے ایک کتا ملا، جس کے گلے میں پٹا پڑا ہوا تھا۔ اس نے اسے پکڑ لیا اور اس خیال سے کہ حضرت شقیق کتوں کے شوقین ہیں، ان کو بطور تحفہ دے گا۔ اتفاق سے وہ حاکم بلخ کا ہی کتا تھا۔ انھوں نے وہ کتا امیر کو دے کر اپنی ضمانت چھڑائی۔ ۵ے

شقیق بلخی کے ایک مربی حضرت ابراہیم بن ادہمؒ کا ایک واقعہ بہت مشہور ہے۔ ایک مرتبہ شقیق بلخی حج کو گئے۔ وہاں حضرت ابراہیم بن ادہم سے ملاقات ہوئی۔ ابراہیم نے ان سے پوچھا کہ آپ نے زہد و توکل کا طریقہ کہاں سے سیکھا؟ شقیق نے بتایا کہ ایک مرتبہ میں تجارت کے لیے جا رہا تھا۔ ایک جگہ ایک چڑیا دیکھی، جس کے پنکھ ٹوٹے ہوئے تھے اور وہ ایک ویران جگہ پڑی تھی — میں نے سوچا کہ دیکھوں، اس کو کھانا کہاں سے ملتا ہے؟ اسی اثنا میں ایک دوسری چڑیا آئی۔ اس کی چونچ میں دانا تھا۔ اس نے وہ دانہ اس چڑیا کی چونچ میں رکھ دیا۔ مجھے اس نظارے سے عبرت ہوئی اور میں واپس آ کر عبادت

میں لگ گیا۔ ابراہیم بن ادہمؒ نے یہ سن کر شقیق سے کہا: تم نے وہ چڑیا بننا پسند کیوں نہیں کیا جس نے اس پر بریدہ چڑیا کو دانا دیا تھا۔ اس طرح تم اس سے افضل ہو جاتے۔ کیا تم نے سنا نہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ہے: 'اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے افضل ہوتا ہے۔ (مسند احمد) مومن کی پہچان یہ ہے کہ وہ ہر معاملہ میں دو درجوں میں سے اعلیٰ درجہ کا انتخاب کرے۔ اس طرح وہ ابرار کے درجے کو پہنچ جاتا ہے۔ حضرت شقیق نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور اس کو بوسہ دے کر کہا کہ آج سے آپ میرے استاد ہیں۔ ۶؎

حضرت شقیق کے راہ زہد اختیار کرنے کے سلسلہ میں یہ چند واقعات ہیں۔ ان میں انتساب کی غلطی کا امکان تو ہے، لیکن ان میں بظاہر کوئی بڑا تضاد نہیں ہے۔ ممکن ہے یہ سب واقعات پیش آئے ہوں اور ان کے مجموعی تاثر سے انھوں نے ترک دنیا کر کے زہد کی راہ اختیار کی ہو۔

اساتذہ

شقیق بلخی نے فقہ کی تعلیم امام زفرؒ سے حاصل کی اور راہ سلوک کے رموز سفیان ثوریؒ، عباد بن کثیرؒ اور اسرائیلؒ سے سیکھے۔ وہ خود فرماتے ہیں: ''میں نے لباس کی سادگی سفیان ثوریؒ سے، خشوع وخضوع اسرائیلؒ سے اور عبادت کا ذوق عباد بن کثیرؒ سے سیکھا اور فقہ کی تعلیم امام زفرؒ سے حاصل کی۔'' ان کے استادوں میں ایک نام کثیر بن عبداللہ الایلیؒ کا بھی ہے۔ ۷؎ مناویؒ نے لکھا ہے کہ انھوں نے فقہ کی تعلیم امام ابوحنیفہؒ سے حاصل کی تھی۔ ۸؎ امام ابن الملقن نے بھی صراحت کی ہے کہ شقیق بلخیؒ نے امام ابوحنیفہؒ سے حدیث پڑھی تھی۔ ۹؎

مرید

شقیق بلخیؒ کے تلامذہ کی تعداد بہت تھی۔ ان کے ساتھ بعض اوقات تین تین سو مرید ہوا کرتے تھے۔ ان کے مشہور تلامذہ اور مریدوں میں حاتم الاصم، عبدالصمد بن مردویہ، محمد بن ابان المستملی اور حسین بن داؤد البلخی ہیں۔ ۱۰؎

شقیق بلخیؒ نے راہ سلوک میں بڑی مشکلات اٹھائیں۔ انھوں نے خود اس کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے: ''میں نے جب توکل کی راہ اختیار کی تو میرے پاس تین

لاکھ کا اثاثہ تھا۔ میں نے سب چھوڑا، اونی کپڑے پہنے اور بیس سال تک ایک مدہوشی کی سی کیفیت میں رہا۔ مجھے کچھ ہوش نہیں رہتا تھا۔ مجھے معلوم ہی نہیں چلتا تھا کہ میں کیا کر رہا ہوں۔ جب میری ملاقات عبدالعزیز بن ابی الرواد سے ہوئی تو انھوں نے مجھ سے کہا: ''اے شقیق! جو کی روٹی کھانا اور اون یا بالوں کے کپڑے پہننا کوئی کمال کی بات نہیں ہے۔ کمال کی بات یہ ہے کہ تم اللہ کی معرفت حاصل کرو، صرف اسی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔'' میں نے ان سے کہا: ''میں آپ کی بات صحیح طرح نہیں سمجھا۔ مزید وضاحت کریں۔ انھوں نے فرمایا: ''تم جو عمل بھی کرو وہ سب خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ہو۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی: **فَمَن كَانَ يَرْجُو لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا** (الکہف، ص:۱۱۰) ۱۱؎ (پس جو کوئی اپنے رب کی ملاقات کا امید وار ہو اسے چاہیے کہ نیک عمل کرے اور بندگی میں اپنے رب کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ کرے۔) حلیۃ الاولیاء میں ہے کہ انھوں نے دوسری شرط یہ بتائی کہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہو جاؤ اور تیسری یہ کہ تمھارا بھروسہ جو کچھ اللہ کے ہاتھ میں ہے اس پر زیادہ ہونا چاہیے بہ مقابلے اس کے جو لوگوں کے ہاتھ میں ہے۔ ۱۲؎

حضرت شقیقؒ کے اس سفر سلوک میں ان کی فکر کا محور قرآن مجید رہا۔ ایک مرتبہ انھوں نے فرمایا: میں نے بیس (۲۰) سال قرآن مجید پر غور کیا تو اس نتیجہ پر پہنچا کہ دنیا و آخرت کا فرق صرف دو جملوں میں ہے: **فَمَا أُوتِيتُم مِّن شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيَوٰةِ الدُّنْيَا وَمَا عِندَ اللَّهِ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ لِلَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ**۔ الشوریٰ: ۳۶۔ (جو کچھ بھی تم لوگوں کو دیا گیا ہے وہ محض دنیا کی چند روزہ زندگی کا سروسامان ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ بہتر بھی ہے اور پائیدار بھی۔ وہ ان لوگوں کے لیے ہے جو ایمان لاتے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں) ۱۳؎

امام جعفر اور شقیق بلخی

امام قشیریؒ نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ شقیق بلخیؒ نے ایک مرتبہ امام جعفر صادقؒ سے سوال کیا کہ فتوۃ (شرافت یا جواں مردی) کیا ہے؟ انھوں نے فرمایا: ''پہلے تم بتاؤ، تم اس سے کیا سمجھتے ہو؟ شقیقؒ نے کہا: ''ہمارے نزدیک فتوۃ یہ ہے کہ اگر ہمیں کچھ ملتا

ہے تو شکر کرتے ہیں اور نہیں ملتا تو صبر کرتے ہیں۔ جعفر صادقؒ نے فرمایا: ''مدینہ میں کتے بھی یہی کرتے ہیں، یعنی اس میں کیا خوبی ہے؟ حضرت شقیقؒ نے کہا: اے رسول اللہ کے نواسے! پھر آپ ہی بتائیے، فتوۃ کیا ہے؟ انھوں نے فرمایا: ہمارے نزدیک فتوۃ یہ ہے کہ اگر ہمیں کچھ مل جائے تو دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں اور اگر نہ ملے تب بھی شکر کرتے ہیں۔ [۱۴]

ابن الملقن نے بھی طبقات الاولیا میں یہ واقعہ درج کیا ہے، لیکن اس میں جعفر صادق کی جگہ ابراہیم بن ادہم کا نام ہے۔ [۱۵] اگرچہ سند کے اعتبار سے پہلی روایت زیادہ بلند ہے، کیوں کہ امام قشیری متقدم ہیں، لیکن درایۃً دوسری روایت زیادہ معتبر معلوم ہوتی ہی کیوں کہ ابراہیم بن ادہم شقیق بلخی کے استاد ہیں۔ غالباً انھوں نے تربیت کے لیے ان سے اس طرح کا سوال کیا ہوگا، جب کہ امام جعفر صادق سے ان کی ملاقات کسی اور ذریعہ سے ثابت نہیں اور اگر ثابت بھی ہو جائے تو ان کے درمیان عمر کا فرق اتنا زیادہ ہے کہ بظاہر اس قسم کا مکالمہ نہیں ہوسکتا۔ امام جعفر صادقؒ کی وفات شقیق بلخی کی وفات سے چھیالیس (۴۶) سال قبل ۱۴۸ھ میں ہو چکی تھی – اس لیے ہوسکتا ہے کہ 'الرسالہ' میں واقعہ نقل کرتے ہوئے ابراہیم بن ادہم کی جگہ امام جعفر صادق کا نام شامل ہو گیا ہو۔ صوفیہ کرام کے تذکروں میں ایسا ہو جاتا ہے۔ خود الرسالہ میں ایسی تصحیف کی ایک مثال آگے آ رہی ہے۔ ابن الملقن چوں کہ بہت بڑے محدث ہیں، صحیح بخاری کے شارح ہیں، اس لیے انھوں نے واقعہ اور سند کی چھان محدثانہ شان سے ہی کی ہوگی۔

سفیان ثوری کی خدمت میں

شقیق بلخیؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت سفیان ثوریؒ سے ملاقات کی اور لباس کی سادگی ان سے سیکھی۔ انھوں نے ازار پہن رکھا تھا، جس کی قیمت چار درہم تھی۔ جب وہ پالتی مار کر بیٹھتے یا اپنے پیر پھیلاتے تو ازار چھوٹا ہونے کی وجہ سے ان کا ستر کھلنے کا اندیشہ ہوتا تھا۔ [۱۶]

روایتِ حدیث میں مرتبہ

حافظ ذہبیؒ نے **العبر فی خبر من غبر** میں بحیثیت راوی شقیق بلخی کو ضعیف لکھا ہے۔ [۱۷] ان کی روایات کو محدثین نے عام طور پر قبول نہیں کیا ہے۔ ابن الملقن نے

لکھا ہے کہ شفیق بلخیؒ نے امام ابوحنیفہ سے حدیث روایت کی۔ ۱۸؎ ابوعبدالرحمن السلمی نے ان کی سند سے دو احادیث روایت کی ہیں، ان میں سے ایک عباد بن کثیر الثقفی البصری (م ۱۵۰ھ) سے اور دوسری ابوہاشم الایلی سے مروی ہے۔ ۱۹؎ ابو ہاشم سے ہی ایک اور حدیث کی روایت امام ذھبیؒ نے تاریخ الاسلام میں بھی نقل کی ہے۔ ۲۰؎

خلیفہ مامون اور حضرت شقیق

ابن العماد نے بھی شفیق بلخیؒ کے ساتھ ایک سفر میں ان کے تین سو مریدوں کے ہونے کا تذکرہ کیا ہے۔ ۲۱؎ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا حلقۂ ارادت کافی وسیع تھا۔ لیکن ان کے اقوال عام طور پر حاتم اصم سے مروی ہیں۔ طبقات الصوفیۃ میں ان کے ستائیس (۲۷) مقولے منقول ہیں، جو سب کے سب حاتم کی روایت سے ہیں۔ حاتم اصم ان کے سب سے مشہور شاگرد ہیں۔ وہ خود بھی بڑے پایے کے صوفی تھے۔ وہ شقیق بلخی کی خدمت میں طویل عرصہ رہے۔ 'ثمانی مسایل' (یعنی آٹھ مسائل) کے نام سے انھوں نے حضرت شقیق کے فیض صحبت کے ثمرات بیان کیے ہیں، جن کو مختلف تذکرہ نگاروں نے جمع کیا ہے۔ ۲۲؎ وہ شقیق بلخیؒ کے ساتھ آخری دم تک رہے۔ ان کے واقعۂ شہادت کے راوی بھی وہی ہیں۔ ۲۳؎ ان کے علاوہ شقیق بلخیؒ کے ملفوظات کو ان کے پوتے علی بن محمد بن شقیق کے حوالے سے بھی بعض تذکرہ نگاروں نے ذکر کیا ہے۔ حسن بن داؤد بلخی نے بھی ان کے بعض اقوال روایت کیے ہیں۔ ۲۴؎

وفات

تمام تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ شفیق بلخیؒ کولان کی جنگ میں ترکوں کے خلاف جنگ کرتے ہوئے سنہ ۱۹۴ھ/ ۸۱۰ء میں شہید ہوئے۔ ۲۵؎

حاتم اصم نے اس واقعہ کو اس طرح بیان کیا ہے: ایک مرتبہ میں اور حضرت شقیق ایک جنگ میں ساتھ تھے۔ ایک دن گھمسان کا رن پڑا۔ اس میں سروں کے اڑنے، تلواروں کے ٹوٹنے اور نیزوں کے چلنے کے سوا کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اسی دوران، جب کہ ہم دو صفوں کے درمیان تھے، انھوں نے مجھ سے پوچھا: اے حاتم! تم کیا محسوس کر رہے ہو؟ کیا تمہیں آج شب زفاف کی لذت نہیں آرہی ہے؟ میں نے کہا:

اللہ کی قسم، مجھے تو کوئی بات نہیں محسوس ہو رہی ہے۔ شقیق بلخیؒ نے فرمایا: واللہ، مجھے تو ایسا ہی محسوس ہو رہا ہے۔ حاتم کہتے ہیں: اس کے بعد شقیق بلخیؒ نے ڈھال سرہانے رکھی اور دو صفوں کے درمیان سو گئے، حتیٰ کہ مجھے ان کے خراٹوں کی آواز آنے لگی۔۲۶؎

اندازہ ہوتا ہے کہ اس جنگ میں ان کے اور ساتھی بھی شریک تھے، چنانچہ حاتم نے مزید بیان کیا ہے کہ میں نے اس جنگ میں اپنے اصحاب میں سے ایک کو دیکھا کہ رو رہا ہے۔ میں نے پوچھا: کیوں رو رہے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ میرا بھائی شہید ہو گیا ہے۔۲۷؎

اولاد

شقیق بلخی کی اولاد کے بارے میں تفصیلات نہیں معلوم ہو سکیں۔ ان کے ایک بیٹے 'محمد' کا نام دراصل ان کے پوتے کے ذکر میں ملتا ہے۔ دوسرے بیٹے علی کا تذکرہ ان کی کنیت میں ہے۔ ممکن ہے، اور بھی اولادیں رہی ہوں۔

افکار و تعلیمات

شقیق بلخی نے اونی کپڑے پہنے، تلاشِ حق میں مجذوبانہ سرگرداں پھرے۔ مختلف لوگوں سے روایات لیں اور مختلف شخصیات کی خدمت میں رہ کر سلوک و تصوف کے رموز سیکھے۔ ان کے افکار و خیالات، جو ان کے بعض مریدوں، خاص طور پر حاتم اصم نے نقل کیے ہیں، ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے یہاں فلسفیانہ طرز فکر نہیں ہے، بلکہ زیادہ تر عمل کی باتیں ہیں، کہ کس طرح اپنی زندگی کو سنوارا جائے؟ اور کیسے آخرت کی فکر پیدا کی جائے؟ ان کی چند بنیادی تعلیمات درج ذیل ہیں:

توکل

شقیق بلخی کے یہاں توکل پر بڑا زور تھا۔ غالباً اپنی ہنگامہ خیز معاشی زندگی کو ترک کرنے کے نتیجہ میں ان کے اندر توکل کی فکر زیادہ بڑھ گئی تھی اور ان پر اتنی حاوی ہوئی تھی کہ اکثر تذکرہ نگاروں نے ان کا تذکرہ اسی حوالے سے کیا ہے۔ الرسالہ میں ہے

کہ ان کا سارا کلام توکل کے بارے میں ہے۔ ۲۸؎

توکل کیا ہے؟ اس کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت شقیق بلخی نے فرمایا ہے: "**التوکل یطمئن قلبک بوعود اللہ**" (توکل یہ ہے کہ تیرا دل اللہ تعالیٰ کے وعدے پر مطمئن ہو جائے) اس کی مزید وضاحت انھوں نے اس طرح کی کہ اگر تم یہ جاننا ہو کہ یہ انسان کیسا ہے؟ تو یہ دیکھو کہ اس کو زیادہ بھروسہ اللہ تعالیٰ کے وعدے پر ہے یا انسان کے وعدے پر۔ ۲۹؎ یعنی اگر اس کا بھروسہ اللہ تعالی پر ہے تو وہ متوکل ہے اور اگر انسانوں پر ہے تو دنیادار ہے۔

ابونعیم اصفہانی نے لکھا ہے کہ شقیق بلخی نے توکل کی چار قسمیں بیان کی ہیں: (۱) توکل علی المال (۲) توکل علی النفس (۳) توکل علی الناس (۴) توکل علی اللہ۔ توکل علی المال کا مطلب یہ ہے کہ تم کہو کہ جب تک یہ مال میرے پاس رہے گا، مجھے کسی کی ضرورت نہیں۔ توکل علی النفس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کلی طور پر صرف اپنے اوپر بھروسہ کرے۔ توکل علی الناس کا مطلب یہ ہے کہ ہر ضرورت میں دوسرے لوگوں کی مدد کا یقین ہو اور توکل علی اللہ کا مطلب یہ ہے کہ تم یہ جانو کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو پیدا کیا ہے، وہی تمہارے رزق کا ضامن اور کفیل ہے۔ وہ تمھیں کسی کا محتاج نہیں کرے گا۔ ۳۰؎

شقیق بلخیؒ کے یہاں توکل پر اتنا زور ہے کہ بسا اوقات وہ ترکِ وسیلہ تک پہنچ جاتے ہیں۔ اس کی مثال چڑیا کا قصہ ہے، جو اوپر گزر چکا ہے، لیکن شاید ابراہیم بن ادہمؒ کی تربیت کے بعد انھوں نے ترک وسیلہ کا خیال چھوڑ دیا تھا۔ البتہ اس سے ان کے معیار توکل میں کوئی کمی نہیں آئی۔ وہ فرماتے تھے کہ جو رزق تمہارے لیے مقدر ہے وہ ہر حال میں تم کو ملے گا، کسی اور کو نہیں مل سکتا۔ ۳۱؎

ان کے نزدیک توکل ایمان کا پیمانہ ہے۔ انھوں نے متعدد آیات سے استشہاد کیا ہے۔ (الشعراء:۷۹، المائدۃ: ۲۳، آل عمران: ۱۵۹) جن سے ثابت ہوتا ہے کہ توکل ایمان کا تقاضا ہے اور ایمان کی علامت یہ ہے کہ انسان کا زیادہ بھروسہ اللہ کے وعدہ پر ہو۔ ۳۲؎

زہد

حضرت شقیق بلخی کے عہد میں لفظ 'تصوف' کا رواج نہیں تھا، بلکہ اس کے لیے لفظ

'زہد' کا استعمال ہوتا تھا۔ اس لیے وہ بھی 'تصوف' کے بجائے زہد کا لفظ ہی استعمال کرتے تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ زہد رغبت کی ضد ہے۔ زاہد اور راغب کی مثال ان دو آدمیوں کی سی ہے جن میں سے ایک مشرق کی طرف جا رہا ہو اور دوسرا مغرب کی طرف۔ ان کے درمیان کچھ بھی مشترک نہیں ہے۔ ان کے مقاصد مختلف ہیں۔ راغب یہ دعا مانگتا ہے کہ اے اللہ! مجھے مال، اولاد اور دولت عطا فرما اور مجھے میرے دشمنوں کے مقابلے میں کام یاب فرما اور ان کے شر، حسد، ظلم، مصیبت اور آزمائش کو مجھ سے دور فرما۔ زاہد کی دعا یہ ہوتی ہے کہ اے اللہ! مجھے ڈرنے والوں کا علم اور عمل کرنے والوں کا خوف عطا فرما۔ متوکلین کا علم، مومنین کا توکل، صبر کرنے والوں کا شکر اور شکر کرنے والوں کا صبر، مغلوب ہو جانے والوں کی فروتنی، عاجزی کرنے والوں کی انابت اور سچوں کا زہد عطا فرما اور مجھے ان شہدا میں شامل فرما جو زندہ ہیں اور ان کو رزق دیا جاتا ہے۔ دونوں کی دعائیں الگ الگ ہیں اور اللہ کی قسم، دونوں کے راستے جدا جدا ہیں۔ ۳۳؎ اسی طرح وہ زاہد یعنی صوفی کو دوسرے تمام گروہوں سے ممتاز کرتے ہیں۔ یعنی جو شخص زاہد ہوگا اس کی فکر کا محور پورے طور پر اللہ تعالیٰ کی خشیت، اس پر توکل، صبر اور انابت ہوگا اور اس کی منزل شہدا میں شمولیت ہوگی۔ یعنی آخرت میں کام یابی ہی اس کی زندگی کا اصل مقصد ہوگا اور اس کی کوشش یہ ہوگی کہ وہ آخرت میں سب سے اعلیٰ مقام حاصل کرے جو ان شہداء کا مقام ہے جن کے بارے میں قرآن میں آیا ہے کہ وہ زندہ ہیں اور انھیں کھلایا پلایا جاتا ہے۔

جس شخص کی ساری تگ و دو دنیا کے لیے ہو، وہ ہوا و ہوس میں مبتلا ہو اور اس کی فکر کا محور اس کی دنیا کی زندگی ہو، ایسے شخص کے لیے شقیق بلخیؒ 'راغب' کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک دنیا میں مال و اولاد کا حصول اور مصیبتوں اور پریشانیوں سے نجات پانا ہی اس کی زندگی کا محور ہوتا ہے۔ آخرت اس کے دائرہ فکر میں شامل نہیں ہوتی۔ گویا ان کے نزدیک جو شخص آخرت میں اعلیٰ درجات حاصل کرنے کی فکر میں یہ زندگی گزارے وہ 'زاہد' ہے اور جس کی فکر کا دائرہ اس دنیا میں ہی محدود ہو وہ 'راغب' ہے۔

زہد کی ضد کے طور پر شقیق بلخی ایک دوسرا لفظ 'ہویٰ' (ہوس) بھی استعمال کرتے ہیں۔ اس لفظ کا استعمال اب بھی اسی معنی میں ہوتا ہے، لیکن اول الذکر کا استعمال اصطلاحاً اس معنیٰ میں نہیں ہوتا جس میں انھوں نے استعمال کیا تھا۔

زاہد کے امتیازات بتاتے ہوئے حضرت شقیق فرماتے ہیں کہ تین خصلتیں ہیں جو زاہد کا تاج کہلاتی ہیں: اول یہ کہ وہ خواہشات کی پیروی نہ کرے، بلکہ ان کے خلاف چلے۔ دوسرا یہ کہ وہ دل سے زہد کی طرف مائل ہو۔ تیسرا یہ کہ جب بھی اس کو فرصت کے لمحات میسر آئیں، وہ یہ سوچے کہ قبر میں داخل ہونا اور اس سے دوبارہ زندہ ہو کر نکلنا کس حال میں ہوگا اور قیامت کے دن کی لمبائی، بھوک، پیاس، برہنگی، حساب اور صراط کو یاد کرے اور اس دن کی رسوائی کو یاد کرے۔ اس کا یہ ذکر اس کو دھوکے کے گھر (یعنی اس دنیا) کے ذکر سے بے نیاز کر دے گا۔ ۳۴؎

زہد اللہ تعالی سے قربت کا ذریعہ ہے اور اس سے بے شمار فضائل انسان کو حاصل ہوتے ہیں۔ ایک موقع پر شفیق بلخیؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے سب سے قریب وہ زہاد ہوں گے جو اس سے سب سے زیادہ خوف کی روش اختیار کریں گے۔ اور اس کے سب سے زیادہ محبوب وہ زہاد ہوں گے جو اس کے لیے سب سے اچھے اعمال انجام دیں گے اور اس کے نزدیک سب سے افضل وہ زہاد ہوں گے جو اس کے وعدوں پر سب سے زیادہ یقین و رغبت رکھنے والے ہوں گے (**أعظمهم فيما عنده رغبة**) اور اس کے نزدیک سب سے زیادہ باعزت وہ زہاد ہوں گے جو سب سے زیادہ تقوی کی روش اختیار کرنے والے ہوں گے اور اس کے نزدیک سب سے مکمل وہ زہاد ہوں گے جو سب سے زیادہ سخاوت کرنے والے اور اس کے سامنے سب سے زیادہ جھکنے والے ہوں گے اور اس کے نزدیک سب سے کامل زہاد وہ ہوں گے جو یقین میں سب سے زیادہ ہوں گے۔ ۳۵؎

طریقۂ زہد

راہ سلوک میں سالک کو مختلف منازل و مقامات سے گزرنا پڑتا ہے۔ صوفیہ کرام نے اپنے اپنے ذوق و وجدان کے مطابق ان منازل کو بیان کیا ہے۔ شقیق بلخی نے بھی زہد کا راستہ اور اس میں آنے والے منازل کو تفصیل سے بیان کیا ہے، البتہ ان کی بیان کردہ منزلیں وہ نہیں ہیں جو بعد میں صوفیہ نے طے کی۔ شقیق بلخیؒ ان کو 'منزل' کہتے بھی نہیں، وہ ان کو 'ابواب' یعنی دروازے کہتے ہیں۔ شقیق بلخی کو منازل و ابواب کے بیان سے زیادہ دلچسپی تھی بھی نہیں، ان کی زیادہ توجہ آخرت کی فکر اور اس کے پیش نظر دنیا

کے اعمال کو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق انجام دینے پر تھی۔ اس دنیا میں انسان کے لیے آرام و راحت بھی ہے اور تکلیف ومصائب بھی۔ سالک کے لیے ضروری ہے کہ آرام وراحت اس کو اللہ کی یاد سے غافل نہ کر دے اور تکلیف ومصیبت اس کو فریاد و واویلا میں مبتلا نہ کر دے اور اسے رحمت خداوندی سے مایوس نہ کر دے، بلکہ آرام و راحت موجب شکر گزاری ہو اور اگر کوئی تکلیف پیش آئے تو اس پر صبر کرے۔ فرماتے ہیں کہ زہد کے راستے کی طرف لے جانے والے دروازے چھ(۶) ہیں:

۱۔ بھوک پر رضا اور سرور کے ساتھ صبر کرنا، اس پر واویلا اور فتور کے ساتھ نہیں۔

۲۔ غریبی پر خوشی کے ساتھ صبر کرنا، غم کے ساتھ نہیں۔

۳۔ طویل فاقہ کشی پر فضل واقبال کے ساتھ صبر کرنا، افسوس کے ساتھ نہیں، یعنی اس طرح رہنے والا گویا بھوکا ہے ہی نہیں، بلکہ شکم سیر ہے۔

۴۔ عاجزی اور ذلت پر بہ طیب خاطر صبر کرنا، کراہت کے ساتھ نہیں۔

۵۔ مصیبتوں پر رضامندی سے صبر کرنا، ناراضی کے ساتھ نہیں۔

۶۔ کھانے، پینے اور لباس کے بارے میں طویل غور وفکر کرنا کہ وہ کہاں سے آیا؟ کیسے آیا؟ ممکن ہے کہ ایسا ہو اور ہوسکتا ہے کہ ویسا ہو (یعنی یہ ضرور غور کرے کہ یہ جائز ذریعہ سے ہی ہو)۔[۳۶]

شقیق بلخیؒ نے 'زاہد' اور 'متزہد' کے درمیان فرق کرتے ہوئے دونوں کی خصوصیات بتائی ہیں اور لوگوں کو نصیحت کی ہے کہ وہ متزہد کی صحبت سے اجتناب کریں۔ انھوں نے کہا ہے کہ متزہد وہ ہے جو دیکھنے میں خشوع وخضوع کا پیکر نظر آئے، اپنے مدخل اور مخرج میں (یعنی چلنے پھرنے میں)، اپنے کھانے اور لباس میں، اپنے اعمال میں اور خواہشات میں زاہدوں کے مشابہ ہو، لیکن دنیا سے اس کی رغبت اور محبت اس کے اس دعویٰ کے خلاف گواہی دے۔ اس کی رضا راغبین کی رضا کی طرح ہوگی، لیکن اس کا حسد، اس کے مقاصد، اس کی لمبی چوڑی باتیں، اس کا گھمنڈ، اس کا فخر، اس کی بداخلاقی، اس کی لچھے دار گفتگو اور لایعنی باتوں میں اس کا مستقل پڑے رہنا اس کے نفاق کی دلیل ہیں۔ اس سے بچو۔ لیکن اگر کسی شخص میں دس خصائل ہوں تو اس کے بارے میں امید ہے کہ وہ زہد کے کسی نہ کسی دروازے میں ضرور ہوگا۔ وہ خصائل درج ذیل ہیں:

۱۔ نیکی سے اس کو خوشی ہو اور برائی پر افسوس کرے۔

۲۔ وہ اچھا کام کرے اور کوئی اس پر تعریف کرے تو اس کو ناپسند کرے اور اگر بغیر کوئی اچھا کام کیے کوئی اس کام کے حوالے سے اس کی تعریف کرے تو اس سے ایسے نفرت کرے جیسے خنزیر اور مردار کے گوشت یا خون سے نفرت کرتا ہے۔ (یُحِبُّونَ أَنْ یُحْمَدُوا بِمَا لَمْ یَفْعَلُوا)

۳۔ جب ان خصلتوں کو پہچان لے اور انہی میں اپنے دن رات کے اوقات صرف کرنے لگے تو اس کی خواہشات کم ہو جائیں گی اور جو سامنے آنے والا ہے (یعنی موت اور قیامت) اس کی فکر بڑھ جائے گی۔

۴۔ جب آدمی ایسے کام میں مشغول ہوگا جس کے لیے اس کو پیدا نہیں کیا گیا (یعنی دنیاداری) تو اس کے غم بڑھ جائیں گے۔ ایسا لگے گا جیسے وہ مجنوں ہو۔ پھر اگر وہ اس چیز کو اسی وقت چھوڑ دے جس نے اس کو اطاعت الٰہی سے روکے رکھا ہے تو اس سے اس کو زہد کی مٹھاس ملے گی اور اس کے ذریعہ وہ شیطان کے گروہ سے چھٹکارا پائے گا۔

۵۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر اس کے نزدیک شہد سے زیادہ میٹھا اور برف سے زیادہ ٹھنڈا ہو اور سخت گرمی میں پیاس سے جاں بلب شخص کے لیے صاف، ٹھنڈا اور میٹھا پانی جتنا لذت آگیں ہوتا ہے، اللہ کا ذکر اس کے لیے اس سے زیادہ لذیذ ہو جائے گا۔

۶۔ اس کو ان لوگوں کے پاس بیٹھنا جو زاہدوں کی تعریف کریں اور اس کو نصیحت کریں، زیادہ اچھا لگے گا بہ نسبت ان کے جو انھیں درہم و دینار دیں۔

۷۔ اگر کوئی شخص اپنے گناہوں پر بہت زیادہ نہ روئے تو اس کی توبہ قبول نہ ہوگی۔

۸۔ اس کی مسکراہٹ اور اس کی خوشی و مسرت کی کیفیت سے لوگ سمجھیں گے کہ وہ اہل رغبت میں سے ہے، نہ کہ اہل خوف میں سے۔

۹۔ اس کا دل اس سے یہ نہ کہے کہ تو کسی بھی اہل قبلہ سے افضل ہے۔

۱۰۔ وہ اپنے گناہوں پر نظر رکھے اور دوسرے کے عیوب کی نکتہ چینی سے بچے۔

جس شخص میں یہ دس چیزیں ہوں گی، امید ہے کہ وہ زہاد کے طریقہ پر ہوگا۔ ان

دس ابواب کے بعد سات اور ابواب ہیں۔ دوسرے الفاظ میں کہا جاسکتا ہے کہ اوپر مذکور دس ابواب راہِ سلوک کی منازل اور ذیل میں مذکور سات ابواب راہِ سلوک کے احوال ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے دل سے عاجزی کرنا، نہ کہ صرف زبان سے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے خوشی سے جھکنا، نہ کہ بے دلی سے۔

۳۔ لوگوں سے بغیر لالچ کے حسن معاشرت اختیار کرنا۔

۴۔ دنیا کی طرف جھکنے والوں سے ایسے بھاگنا جیسے گدھا شیر سے بھاگتا ہے اور ان سے ایسی نفرت کرنا جیسے گدھا درندوں کی آواز سے کرتا ہے۔

۵۔ ہر ایسی چیز سے پناہ چاہنا جس کے عذاب کا ڈر ہو، یا پھر اس پر ثواب کی کوئی امید نہ ہو۔

۶۔ اپنے گناہوں پر رونے والوں کی صحبت اختیار کرنا۔

۷۔ موت کے بعد آنے والے شدائد و مشکلات سے خوف کھانا۔

جس شخص کے اندر یہ باتیں ہوں گی وہ گویا سب سے افضل عبادت کرنے والا ہے اور زہاد کے طریقہ پر گام زن ہے۔ بہ الفاظ دیگر وہی صحیح معنوں میں زاہد یا صوفی ہے۔ ۳۷؎
شفیق بلخیؒ کی یہ پوری گفتگو ابونعیم اصفہانی نے حلیۃ الاولیا میں نقل کی ہے۔ اندازہ ہوتا ہے کہ شاید یہ کسی مجلس کی گفتگو یا کسی سالک کو کی گئی نصیحت ہے۔

شقیق بلخیؒ نے زاہد اور متزہد کے درمیان فرق کرنے کا ایک اور اصول بتایا ہے کہ زاہد اپنے عمل سے زاہد ہوتا ہے اور متزہد اپنے قول سے۔ ۳۸؎ وہ سالک کو نصیحت کرتے تھے کہ ہمہ وقت یہ دیکھو کہ تم اللہ تعالیٰ کے معاملے میں کتنے جری ہو اور اللہ تعالیٰ کتنا حلیم ہے۔ ۳۹؎

فکر آخرت

شقیق بلخیؒ کی نظر میں اہل طاعت ہی زندہ لوگوں میں شمار کیے جانے کے قابل ہیں۔ گناہ گار تو مُردوں کی مانند ہیں۔ سالک کو ہمہ وقت اس فکر میں رہنا چاہیے کہ مرنے کے بعد کی زندگی کے لیے اس کی تیاری پوری رہے۔ فرماتے تھے کہ موت کی ایسی تیاری کرو کہ جب موت آئے تو یہ احساس نہ رہے کہ کاش اور مہلت ملتی۔ ۴۰؎
ان کے نزدیک عقل مند آدمی وہ ہے جو ہر وقت ان تین حالتوں میں سے کسی ایک حالت

میں رہے: (۱) اپنے پچھلے گناہوں پر ہر وقت خوف زدہ رہے۔ (۲) اس کو معلوم نہ ہو کہ اس پر اگلا لمحہ کیا گزرے گا؟ یعنی ہر وقت اگلے لمحے کی فکر میں لگا رہے۔ (۳) انجام کار سے ہر وقت خائف رہے، کیوں کہ وہ نہیں جانتا کہ اس کا خاتمہ کس چیز پر ہوگا؟ ۴۱؎

عبادت

انسانی زندگی کا مقصد عبادت ہے اور عبادت کا مقصد یہ ہے کہ بندہ دنیا میں ایک مطمئن زندگی گزارے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام کا مستحق قرار پائے، اس کو جنت حاصل ہو جائے اور جہنم سے چھٹکارا مل جائے۔ شقیق بلخیؒ نے عبادت کے اس مقصد کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: ''عبادت کا حسن درج ذیل چیزیں ہیں:

۱۔ جب بندہ اپنے آپ کو عبادت میں منہمک دیکھے تو اپنے دل میں کہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا انعام ہے اور اسی نے اس کی توفیق دی ہے۔ وہ جب یہ سوچے گا تو اس کے اندر سے گھمنڈ کا مادہ ختم ہو جائے گا۔

۲۔ اس کا دل ہر وقت ثواب میں اٹکا رہے۔ ایسا کرنے سے ریا کاری کا خیال اس کے دل سے نکل جائے گا۔ کیوں کہ اب وہ اس نیت سے عمل کرے گا کہ اس کو اس پر ثواب ملے گا۔ اگر شیطان اس کے دل میں وسوسہ بھی ڈالے گا تو وہ کہے گا کہ میں یہ کام اس لیے کر رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو اس پر ثواب عنایت فرمائے گا۔ ایسا کرنے سے لوگوں سے اس کی امیدیں اور لالچ (طمع) ختم ہو جائے گی۔

طمع یا لالچ کا مطلب ہے خدا کو بھول جانا۔ بندہ جب اللہ کو بھول جاتا ہے تب ہی اس کی امیدیں مخلوق سے وابستہ ہوتی ہے۔ ۴۲؎

معرفت

شقیق بلخیؒ نے معرفت کے بارے میں فرمایا ہے کہ معرفت چار طرح کی ہوتی ہے: (۱) اللہ کی تعالیٰ کی معرفت۔ (۲) اپنے نفس کی معرفت۔ (۳) اللہ تعالیٰ کے امر و نہی کی معرفت۔ (۴) اللہ تعالیٰ کے دشمن کی معرفت۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت یہ ہے کہ بندہ دل سے یہ جانے کہ سوائے اس کے نہ کوئی دینے والا ہے، نہ کوئی روکنے والا ہے، نہ نقصان

پہنچانے والا ہے، نہ فائدہ پہنچانے والا۔ نفس کی معرفت یہ ہے کہ تمھارا نفس یہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے بغیر نہ تمھیں کوئی نفع دے سکتا ہے نہ نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ تم خود کوئی کام کر سکتے ہو۔ اللہ تعالیٰ کے امر و نہی کی معرفت کا مطلب ہے کہ تم یہ جان لو کہ تمہارے اوپر اللہ تعالیٰ کا حکم بجالانا لازم ہے اور تمھارا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے۔ اور اس پر یقین کامل رکھو کہ تمھیں رزق ملے گا، اعمال کو خلوص کے ساتھ انجام دو۔ اور اخلاص عمل کی پہچان تمہارے اندر دو خصلتوں کا ہونا ہے: طمع اور جزع یعنی تڑپ۔ اللہ تعالیٰ کے دشمن کی معرفت کا مطلب یہ ہے کہ تم یہ جان لو کہ اللہ تعالیٰ کا ایک دشمن ہے، یعنی شیطان۔ اس سے جنگ کیے بغیر اللہ تعالیٰ تمھارا کوئی عمل قبول نہیں کرے گا۔ ۴۳؎

شقیق بلخیؒ نے مزید فرمایا کہ معرفت کا تقاضا یہ ہے کہ بندہ یہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ اس کے پاس جو چیز ہے وہ اس سے لے کر دوسرے کو دے دے اور اگر اس کے پاس کوئی چیز نہ ہو تو وہ اس کو دے دے۔ ۴۴؎

اقوالِ حکمت

شقیق بلخیؒ سے حکمت کی متعدد باتیں منقول ہیں۔ ان کے چند اقوال درج ذیل ہیں:

۱۔ اپنے آپ کو دنیا کی طلب میں ہلکان مت کرو۔ اگر تمہارے لیے فقر مقدر کر دیا گیا ہے تو تم غنی نہیں ہو سکتے۔ ۴۵؎

۲۔ انسان اپنے ایمان کا جائزہ دین کے ذریعے بھی لے سکتا ہے۔ اگر تمہاری نظر میں تمھیں دینے والا شخص زیادہ محبوب ہے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ تم دنیا دار ہو اور اگر تمہاری نظر میں وہ شخص زیادہ محبوب ہے جس کو تم دے رہے ہو تو اس کا مطلب ہے کہ تمہاری نظر میں آخرت کی فکر زیادہ ہے۔ ۴۶؎

۳۔ دنیا میں ایسے رہو جیسے لوگ آگ کے ساتھ رہتے ہیں، یعنی اس کا فائدہ تو اٹھاتے ہیں، لیکن اس میں جلنے سے بچتے ہیں۔ ۴۷؎

۴۔ توبہ کیا ہے؟ توبہ دراصل انسان کی گستاخانہ جرأت اور اللہ رب العزت کے عفو و درگذر کی تفسیر ہے۔ ۴۸؎

۵۔صبر و رضا دو الگ الگ صورتیں ہیں: جب کسی کام کا آغاز کیا جاتا ہے تو ابتدا صبر سے ہوتی ہے اور اختتام رضا پر ہوتا ہے۔۴۹؎

۶۔اگر دنیا میں خوش رہنا ہے تو جو مل جائے ، کھالو، جو میسر ہو، پہن لو اور اللہ نے جو فیصلہ کر دیا اس پر راضی ہو جاؤ۔۵۰؎

۷۔عقل مند انسان کی تین خصلتیں ہوتی ہیں:

(۱) وہ ہمیشہ اپنے پچھلے گناہوں پر شرمندہ رہتا ہے۔

(۲) وہ ہمیشہ مستقبل کے بارے میں فکر مند رہتا ہے کہ اگلے لمحے نہ جانے کیا ہوگا، یعنی مدہوشی کی زندگی نہیں گزارتا۔

(۳) انجام کار موہوم ہے، پتہ نہیں، خاتمہ کس پر ہوگا؟ اس لیے وہ اپنے انجام کے لیے فکر مند ہوتا ہے۔۵۱؎

شفیق بلخیؒ عظیم پائے کے صوفی تھے۔ان کی زندگی عمل سے عبارت تھی اور انھوں نے دوسروں کو بھی عمل کی تلقین کی۔انھوں نے اپنے اقوال میں ایسے معیارات رکھ دیے جن کے ذریعہ انسان اپنا جائزہ لے سکتا ہے کہ وہ دینی اعتبار سے کس مقام پر ہے؟ انھوں نے تصوف کی فکری تاریخ کا منہج متعین کرنے کے لیے عظیم کارنامہ انجام دیا۔

حواشی و مراجع

۱۔ ذہبی ،تاریخ الاسلام، تحقیق عمر عبدالسلام تدمری، دارالکتاب العربی، بیروت، طبع دوم، ۱۹۹۳، ۲۲۸/۱۳

۲۔ ابونعیم اصفہانی: حلیۃ الاولیا و طبقات الاصفیا، دارالکتاب العربی، بیروت، لبنان، غیر مؤرخہ، ۸/۷، ابوالقاسم القشیری: الرسالۃ القشیریۃ، اردو ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن، ادارۂ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد پاکستان، ۱۹۵۸، ص۱۳۹۔۱۳۸

۳۔ ابن الملقن: طبقات الاولیاء، تحقیق و تخریج نورالدین شریبہ، دارالمعرفۃ ،بیروت، طبع دوم، ۱۹۸۶، ص: ۱۳، الرسالہ القشیریۃ، ص:۱۳۹

۴۔ الرسالہ القشیریۃ، ص: ۱۳۸

۵۔ حوالۂ سابق ۶۔ طبقات الاولیاء ۷۔ذہبی، تاریخ الاسلام، ۲۳۰/۱۳

۸۔ عبدالرؤف مناوی: الکواکب الدریۃ فی تراجم سادۃ الصوفیۃ ۔تحقیق ڈاکٹر عبدالحمید صالح حمدان، المکتبہ الازہریۃ للتراث، مصر، بدون سنہ، ا / ۲۲۳

۹۔ طبقات الاولیاء، ص ۱۴ ۱۰۔تاریخ الاسلام، ۱۳/ ۲۲۸

۱۱۔ جمال الدین ابوالفرج ابن الجوزی، صفۃ الصفوۃ، دار ابن حزم، بیروت، ۲۰۰۸، ص ۶۶۳

۱۲۔ حلیۃ الاولیاء، محولہ بالا، ۸/ ۵۹، تاریخ الاسلام، ۱۳ / ۲۲۹

۱۳۔ ابوعبدالرحمن السلمی، طبقات الصوفیۃ، تحقیق نورالدین شریبہ، دارالکتاب العربی، مصر، ۱۹۵۳، ص ۶۴

۱۴۔ الرسالہ، ص ۴۴۲ ۱۵۔طبقات الاولیاء، ص ۹ ۱۶۔تاریخ الاسلام، ۱۳/ ۲۳۰

۱۷۔ ذہبی، العبر فی خبر من غبر، تحقیق ابوھاجر محمد بن سعید البسیونی زغلول دارالکتب العلمیۃ بیروت، لبنان، ۱۹۸۵، ۱/ ۲۴۶ ۱۸۔طبقات الاولیاء، ص: ۱۴

۱۹۔ ابوعبدالرحمن السلمی: طبقات الصوفیۃ، تحقیق نورالدین شریبہ، دارالکتاب العربی، مصر، ۱۹۵۳، ص ۶۲۔ ۶۳ ۲۰۔تاریخ الاسلام، ص: ۱۳/ ۲۳۱

۲۱۔ ابن العماد، شذرات الذہب، دارالمسیرۃ، بیروت، ۱۹۷۹، ۱/ ۳۴۱

۲۲۔ صفۃ الصفوۃ، ص ۶۶۴ ۲۳۔حلیۃ الاولیاء، ص ۸/ ۴۶ ۲۴۔تاریخ الاسلام، ۱۳/ ۲۲۹

۲۵۔ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، تحقیق ابوالفدا عبداللہ القاضی، دارالکتب العلمیۃ بیروت لبنان، ۱۹۸۷، ۵/ ۳۷۰ ۲۶۔حلیۃ الاولیا، ص ۸/ ۶۴

۲۷۔ ابن خلکان، وفیات الاعیان، طبع بولاق، ص ۲/ ۱۷۱

۲۸۔ الرسالۃ القشیریۃ، ص ۱۳۸ ۲۹۔طبقات الصوفیۃ، ص ۶۳

۳۰۔ حلیۃ الاولیاء، ۸/ ۶۲۔ ۶۱ ۳۱۔طبقات الصوفیۃ، ص ۶۳ ۳۲۔حوالہ سابق، ص ۶۴

۳۳۔حلیۃ الاولیاء، ۸/ ۷۰ ۳۴۔حوالہ سابق، ۸/ ۶۲

۳۵۔ حوالہ سابق، ۸/ ۷۰ ۳۶۔حوالہ سابق ۳۷۔حوالہ سابق، ۸/ ۶۶۔ ۶۷

۳۸۔طبقات الصوفیۃ، ص ۶۴ ۳۹۔حوالہ سابق، ص ۶۵ ۴۰۔حوالہ سابق، ص ۶۳

۴۱۔ حوالہ سابق، ص ۶۴ ۴۲۔حلیۃ الاولیاء، ص ۸/ ۶۰

۴۳۔ حوالہ سابق، ۸/ ۶۰۔ ۶۱ ۴۴۔حوالہ سابق، ۸/ ۶۶

۴۵۔ الکواکب الدریۃ، ۲/ ۲۲۲ ۴۶۔طبقات الاولیاء، ص ۶۴

۴۷۔ الکوکب الدریۃ، ۲/ ۲۲۲ ۴۸۔ طبقات الصوفیۃ، ص ۶۵

۴۹۔ حوالہ سابق ۵۰۔ حوالہ سابق، ص ۶۶

۵۱۔ حوالہ سابق، ص ۶۳